قسط ۵

لکھنؤ کی کربلائیں اور امام باڑے

عالیجناب شیخ تصدق حسین صاحب حنفی ایڈوکیٹ لکھنؤ

امامباڑہ میر باقر سوداگر

زمانہ شاہی میں باقر نام کی دو بزرگ ہستیاں گذری ہیں، جنہوں نے لکھنؤ میں بڑے بڑے عظیم الشان امام باڑے تعمیر کرائے ۔ ایک آغا باقر، جنہوں نے اپنا عالیشان امام باڑہ حسینیہ غفرانمآب سے چند قدم کے فاصلہ پر تعمیر کرایا اور دوسرے ''میر باقر'' جنہوں نے اپنا مشہور ومعروف امام باڑہ چوک بازار سے متصل جوہری محلہ میں اپنے سکونتی مکان کے قریب بنوایا۔

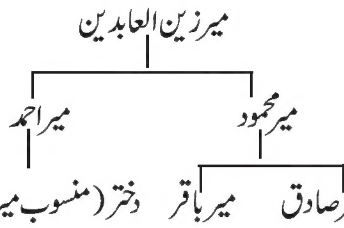
یہ امام باڑہ دوسرے امام باڑوں کے برعکس جو اتر دکھن بنے ہیں مغرب رخ سے تعمیر ہوا ہے جس کے بلند پھاٹک میں ترکی وضع کی مانگ دار محراب بنا کر اسی کے موافق جوڑی لگائی ہے۔

داخلہ کا صدر دروازہ اس ڈھنگ سے بنوایا گیا ہے کہ چوک بازار سے جوہری محلے کے اندر بالکل سامنے نظر آتا ہے۔

امام باڑہ میں شہ نشین ودالان در دالان کے علاوہ دونوں پہلوؤں میں دو منزلی صحنچیاں ہیں اور آگے کے رخ ایک وسیع چبوترہ ہے جس کے سامنے ایک معقول صحن ہے۔ صحن امام باڑہ میں تین طرف غلام گردش ہے اور جانب شمال دوسرے احاطہ میں دو مساجد ہیں ایک خورد دوسری کلاں۔ مسجد کلاں خاص میر باقر کی بنا کردہ ہے

مسجد خورد کو ایک شخص نے اپنے مکان کے اندر شبا شب تعمیر کر کے کھڑا کر دیا تھا تا کہ اس کا مکان مسجد کی موجودگی کی وجہ سے حکومت حاصل نہ کرے مگر بعد میں یہ مکان شاہی اثرات کی بنا پر میر باقر کے ہاتھ آ گیا لیکن مسجد اسی طرح برقرار رکھی گئی ہے۔

میر باقر کا شجرۂ نسب خاندان حسب ذیل ہے:۔



میر باقر نے تین شادیاں کیں۔ زوجۂ اولیٰ دختر میر احمد تھیں جن سے سیدہ بیگم ہوئیں، سیدہ بیگم سے دو اولادیں ہوئیں (۱) میرزا عطا حسین (۲) امانی بیگم۔ اور زوجۂ ثانیہ درگاہی بیگم سے دو لڑکیاں ہوئیں (۱) کلثوم بیگم (۲) زینب بیگم (منسوب بہ حکیم مظفر حسین خاں)، کلثوم بیگم سے ایک فرزند میر شوکت علی اور ایک دختر ہوئیں اور زینب بیگم جو حکیم مظفر حسین خاں کو منسوب تھیں ان سے حکیم نظیر حسن خاں اور تین بیٹے اور ہوئے نیز ایک دختر عسکری ہوئیں جن سے نواب مرتضیٰ حسین خاں ہوئے۔ میر باقر کی تیسری صاحب بیگم معروف بہ رنگ محل سے سید محمد ہوئے جو لاولد فوت ہوئے۔

شجرہ خاندان کے ملاحظہ سے واضح ہوگا کہ میر باقر کے دادا میر زین العابدین تھے۔ یہ نیشاپور کے باشندے تھے۔

ان کے دوفرزند میر محمود اور میر احمد تھے۔ میر محمود کے دو بیٹے میر صادق اور میر باقر بانی امام باڑہ تھے۔ میر احمد کی صرف اکلوتی بیٹی تھیں جو میر باقر کو منسوب ہوئیں دختر میر احمد سے میر باقر کے صرف ایک بیٹی سیدہ بیگم ہوئیں جن کے ایک بیٹے مرزا عطا حسین اور ایک بیٹی امانی بیگم تھیں مگر سیدہ بیگم باپ کی حیات ہی میں قضا کر گئیں۔ پہلی بیوی کی رحلت کے بعد میر باقر نے دوسری شادی درگاہی بیگم سے کی۔ ان سے صرف دولڑکیاں کلثوم بیگم وزینب بیگم ہوئیں۔ زینب بیگم حکیم مظفر حسین خاں کو بیاہی گئیں ان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی عسکری بیگم تھیں۔ ان کے چاروں بیٹوں میں خان بہادر حکیم نظیر حسن خاں بہت نامور اور فخر خاندان ہوئے۔

مابعد میر باقر نے تیسرا نکاح صاحب بیگم سے کیا جن سے صرف ایک بیٹے سید محمد تھے یہ بیوی رنگ محل کے نام سے مشہور تھیں اور جوہری محلے میں مسجد اہلسنت اور چھتہ کے درمیان والے مکان میں رہتی تھیں ۔ سید محمد اولاد سے محروم رہے۔

میر باقر زمانہ شہر یاری حضرت غازی الدین حیدر اور ان کے جانشینوں کے عہد حکومت میں جواہرات اور شیشہ آلات کے نامی سوداگر تھے۔ مشہور ہے کہ ایک شادی کے موقع پر انہوں نے دربار اودھ میں دوشالے رومال بہم پہنچائے تھے۔ میر باقر کے احسان حسین خاں وغیرہ حضرات کمبوہ سے بہت گہرے تعلقات تھے جس کی وجہ کمال الدین حیدر مصنف قیصر التواریخ (جلد اول، ص ۲۵۰) نے یہ بیان کی ہے کہ عہد غازی الدین اور بادشاہ معتمد الدولہ آغا میر کے زمانہ وزارت میں ہر شخص پر عافیت تنگ ہوگئی تھی۔ بادشاہ کے بھائیوں کو جب کئی برس تک تنخواہ نہ ملی تو بعضوں نے مجبوری و مفلسی سے جلاوطن اختیار کیا نواب معتمد الدولہ کے بعض برادران کوتاہ اندیش نے کمال نخوت وغرور سے مظلومان شہر پر ظلم وتعدی نے کمر باندھی جس محلے میں جس متوسل کا مکان تھا اس سے حق ہمسایہ ادا کر کے جس کا مکان چاہا لے لیا اور بطریق خیرات کچھ دے دیا جس نے ریزیڈنٹ سے نالش کی اس پر زیادہ آتش غضب برسائی۔ اگر کسی ملازم نے بادشاہ کو عدم وصول تنخواہ کی عرضی دی اس کا قبض الوصول دکھلا دیا۔ جس تاجر کا مال تجارت کلکتہ سے آیا جو پسند کیا لے لیا جب بادشاہ کو کسی مغل نے اسباب تجارت دیا اس کا روپیہ برسوں میں مشکل سے ملا۔ اسی سلسلے میں باوجودیکہ آغا حسن اصفہانی ریش دراز کے پاس ریزیڈنٹ کی سفارشی چٹھی تھی مگر وہ بھی گولا گنج میں جان سے مارے گئے اسی اندیشے سے میر باقر سوداگر نے حضرات کمبوہ اور اعظم علی خاں مہتمم عدالت العالیہ سے توسل پیدا کیا تھا۔

میر باقر بہت متدین انسان تھے۔ ان کی امانت ودیانت کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف تاریخ اودھ لکھتے ہیں کہ نصیر الدین حیدر کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے سر سواری بینوا فقیر آزادانہ کلام جو بادشاہ کی غفلت پر دلالت کرتا تھا بے تکلف زباں پر لاتے تھے۔ اس مواخذہ میں شہر سے ان کے اخراج کا حکم نازل ہوا۔ اکثر بیچارے شہر سے نکالے گئے اور بہتوں نے لباس آزادی ترک کر کے وضع اور صورت بدل کے شہر میں اپنا قیام غنیمت سمجھا جب یہ صورتیں ظہور میں آئیں اور ریزیڈنٹ نے ملک کی بدنظمی دیکھ کر روشن الدولہ سے کہا کہ اگر تم سے انتظام ملک کی کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی ہے تو ہم انتظام اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں جس پر روشن الدولہ اور ان کے مشیروں کی یہ رائے قرار پائی کہ انجام کار کی فکر مناسب ہے چنانچہ روشن الدولہ نے تقدم بالحفظ کے لئے اپنا کل زرنقد میر باقر سوداگر کے پاس رکھ دیا جو دیانت دار آدمی تھے۔

میر باقر کا نواب منور الدولہ احمد علی سے بھی بہت ربط ضبط تھا۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے بزمانہ حکومت حضرت محمد علی شاہ جب منور الدولہ منصب وزارت پر فائز ہوئے تو اس وقت میر باقر بھی موجود تھے۔ تجارت کے علاوہ میر باقر نے مختلف شہروں میں مہاجنی کی کوٹھیاں بھی قائم کی تھیں جس میں ہنڈی پرزے کا کاروبار بھی ہوتا تھا۔

بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۲ء میر باقر نے اپنے امام باڑہ کو وقف کر کے ایک وقف نامہ بھی مصدق بہ رجسٹری کرا دیا جس کی رو سے جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب مجتہد خلف جناب علیین مکان سید حسین صاحب مجتہد اور اپنے بیٹے سید محمد کو امام باڑہ کا متولی نامزد کیا اور بابت سامان منقولہ متعلق امام باڑہ یہ تحریر کر دیا کہ ضریح ، علم ، اسباب تعزیہ داری نقرئی و مسی و فروش وشیشہ آلات کہ در امام باڑہ ہر سال نصب می گردد وتفصیلش مہری ایں جانب نزد جناب ممتاز العلماء جملہ موقوف است کسے را تصرف درآں جائز نیست۔

جائداد مندرجہ بالا کے علاوہ تین مواضعات کپڑہٹ ، دگرہا اور بجے پور بھی وقف کر دیئے جن کی بابت لکھتے ہیں'' آمدنی ہر سہ دیہات موقوفہ جہت مصارف امام باڑہ وہمہ اسباب مرقومہ بہ تولیت جناب مستطاب مجتہدالعصر والزماں ممتاز العلماء مولوی سید تقی صاحب خلف الصدق علیین مکان جناب سید حسین صاحب وبرخوردار سید محمد کے فرزند صلبی از منکوحہ سوئمی است ووارث شرعی منمقر است دادم و فہرست اسباب امام باڑہ ہمراہ وقف نامہ امام باڑہ مذکور در خدمت جناب معلی القاب تفویض ساختہام۔

امام باڑہ کی عمارت کے لئے اپنا منشاء دلی ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں''امام باڑہ کہ در اطراف وجوانب آن حجرہ سہ درہ ھا و مافوق آں اجازت سکونت و اقامت بسادات و مومنین و ارباب استحقاق و طالبان علم کہ صاحبان بسر نباشند است و ہر کس را جناب موصوف والا لقاب و برخوردار مذکور کہ وارث شرعی منموصی است مناسب دانند اجازت قیام دھند و نیز دکاکین و امکنہ بیرونی امام باڑہ را بکرایہ دادہ آنچہ حاصل بودہ باشد آں را در ترمیم و شکست و ریخت امام باڑہ وسفیدی وغیرہ صرف فرمودہ باشند، در وقتیکہ سادات ومومنین را احتیاج زائد شود جناب ممتاز العلماء یا قائم مقامان اوشان را اختیار است کہ دریں دکاکین ومکان بیرونی نیز اجازت قیام وسکونت بسادات و مومنین و محتاجین بدھند۔'' آمدنی دیہات ومصارف امام باڑہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی آرزوؤں کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔''ہرسہ مواضع کپرہٹ دگرھاو بجے پور پرگنہ رسول آباد ضلع کانپور کہ بلاشرکت احدے مقبوض ومملوک من عاجز است وبالفعل منافع است مبلغ یک ہزار وسہ صدو چھل روپیہ بموجب ٹھیکہ شیخ محمد علی صاحب حاصل شود وقف موبد ساختہ ام لازم است کہ متولیان مذکور الصدورمحاصل ومنافع مواضع مذکور رادر امور خیر کہ بہ ذیل مندرجہ است ہموارہ مطابق آں فرمودہ باشند۔

مبلغ سی(۳۰) روپیہ ماہواری بنابر جناب مرزا سلامت علی صاحب دبیرؔ ماہ بماہ پیشکش نمودہ شود ۔

مبلغ بست و پنج(۲۵) روپیہ ماہواری برائے پیش نماز مسجد کہ ہمیشہ در مسجد نماز جماعت بخواند پیشکش نمودہ شود۔

قرآن خوان قبر منمقر

پانچ روپیہ ماہواری

برائے مجلس طعام روز وفات من موصی در ہر سال ۶۰ روپیہ سالانہ پانچ روپیہ ماہوار وغیرہ وغیرہ وقف نامہ تحریر کرتے وقت صرف ایک سال کے بعد میر باقر نے ۱۸۶۳ء میں انتقال کیا اور حسب منشاء خود پھاٹک کے سامنے ایسے مقام پر

دفن کئے گئے کہ امام باڑہ میں زائرین اور شرکاء مجلس آمدورفت کے وقت ان کی قبر پر ہوکر گزرتے ہیں۔

روشنی محرم

عشرہ محرم میں اس امام باڑہ میں قابل دید روشنی ہوتی تھی جس سے پوری عمارت جگمگا اٹھتی تھی۔

اس کے صدر دروازہ میں ایک عجوبہ روزگار سفید پتھر کی ہانڈی روشن کی جاتی ہے جو دودھیا شیشے کی طرح ضو دیتی ہے۔ دہلی میں لال قلعہ میں تو اس سے کہیں بہتر قسم کے چند سفید اور شفاف پتھر نصب ہیں مگر لکھنؤ میں اس طرح کی چیز کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آتی۔ میر باقر چونکہ شیشہ آلات کی تجارت کرتے تھے، انہوں نے اپنے امام باڑے کو بھی بہترین قسم کے جھاڑوں، چوڑالوں، ہانڈیوں اور جھابوں وغیرہ سے سجایا تھا۔ یہاں کے چھت سے لٹکنے والے اور بیٹھک کے بڑے بڑے جھاڑوں کی شہر میں بہت دھوم تھی۔

مجالس

ایام عزا میں اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً امام باڑہ میں بڑے پیمانہ پر مجالس ہوتی تھیں، جو شہر کی مجالس غم میں ممتاز خیال کی جاتی تھیں۔ میر باقر کے زمانہ حیات میں ۲۵ رجب کو مرزا دبیرؔ مجالس پڑھتے تھے، اس لئے از راہ وضعداری موصوف اپنے وصیت نامہ میں بھی تحریر کر گئے کہ مرزا صاحب کے بعد ان کے بیٹے پھر پوتے مجالس پڑھا کریں گے جب وہ بھی نہ رہیں تو اس وقت جس شخص کو اس کام کے لئے موزوں خیال کریں اسے ان کے بجائے مقرر کر دیں چنانچہ مرزا دبیرؔ کے بعد ان کے بیٹے ان کے جانشین ہوئے پھر پوتے نے ان کی قائم مقامی کی۔ پوتے کے بعد سے اس میں حدیث خوانی ہوتی ہے اور ہر قمری مہینہ کی پچیسویں کو پابندی کے ساتھ مجلس ہوتی ہے۔

مقابر

امام باڑہ میں کسی کے دفن ہونے کی اجازت نہ تھی۔ سب سے پہلے حکیم نظیر حسن خاں صاحب کی والدہ منبر والے دالان میں منبر کے نیچے دفن کی گئیں۔ ان کے بعد حکیم صاحب بھی امام باڑہ کے صحن میں سپرد خاک کئے گئے۔ اسی صحن میں نواب مرتضیٰ حسین خاں اور ان کی بہنوں کی قبریں بھی ہیں، مگر صرف وہی لوگ اس امام باڑے میں دفن ہوسکتے ہیں جو خاندان میر باقر سے تعلق رکھتے ہیں۔

متولیان

میر باقر کی رحلت کے بعد سید محمد تقی صاحب قبلہ اور مرحوم کے بیٹے سید محمد امام باڑہ کا انتظام مشترکہ طور پر کرتے رہے مگر مجتہد صاحب چھٹے مہینے بتاریخ ۲۴ رمضان ۱۲۷۹ھ عالم بقا کو سدھار گئے لیکن وفات سے قبل انہوں نے امام باڑہ کا کل سامان اپنے شریک کار کے حوالہ کر دیا۔ موصوف کے بعد سید محمد تنہا فرائض متولی انجام دیتے رہے مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ کھیل کھیلے اور دلی ارمان آزادی کے ساتھ نکالنے لگے۔ چنانچہ ان کی کجروی اور بدعنوانیاں دیکھ کر ۱۹؍اگست ۱۹۰۴ء کو میر باقر کی نواسی عسکری بیگم صاحبہ اور آخر الذکر کے بیٹے نواب مرتضیٰ حسین خاں نے بغرض حصول اجازت دعویٰ دیوانی گورنمنٹ کے مشیر قانونی کو ایک درخواست دے دی جس میں سید محمد کے متعلق بیان کیا تھا کہ انہوں نے:

گورنمنٹ پرامیسری نوٹ مالیتی اکیس ہزار آٹھ سو چھیاسٹھ روپیہ فروخت کرکے رنگ رلیوں میں اڑا دیا جس کو میر باقر مرحوم نے وقف نامہ کی دفعہ (۱۲) میں مستحقین ومحتاجین کی پرورش کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ تعزیہ داری کا بھی کل سامان طلائی ونقرئی علم وپٹکے بیچ کر زر قیمت خورد برد کر ڈالی اور تینوں مواضعات موقوفہ کو پیشگی ٹھیکہ پر اٹھا کر زر موصولہ اپنے ذاتی صرف میں لائے، نیز جائداد موقوفہ کی ہر مد کی آمدنی کو اپنے تصرف بیجا میں لاتے رہے ہیں۔

۷ جنوری ۱۸۹۸ء کو سید محمد نے بھی تقریباً پینتیس سال متولی رہنے کے بعد دنیا کو خیر باد کہی مگر عالم آخرت کو روانہ

ہونے سے قبل ایک نیا گل یہ کھلا گئے کہ بتاریخ ۲۵ ستمبر ۱۸۹۷ء اپنے نوجوان برادر نسبتی محمد صادق اور ان کی اہلیہ عالیہ بیگم کو اپنی طرف سے امام باڑہ کا متولی مقرر کر کے وصیت نامہ بھی مصدق برجسٹری کرا دیا اور دونوں کے لئے معقول گزارہ مقرر کرنے کے علاوہ جائداد موقوفہ کی آمدنی کا جز واعظم اپنے احباب اور لواحقین کے لئے بھی مقرر کر دیا۔ ۷ نومبر ۱۸۹۸ء کو عالیہ بیگم بھی خدا ہی کے گھر سدھاریں۔ ان کی وفات کے بعد ان کی ماں موتی بیگم بھی متوفیہ کا تحریر کردہ ایک وصیت نامہ پیش کر کے تولیت امام باڑہ کی دعویدار ہوئیں مگر محمد صادق نے اس کو جعلی ثابت کر دیا۔ اور تن تنہا وقف کا انتظام کرتے رہے۔

محمد صادق پر بھی درخواست متذکرہ بالا میں بہت سنگین اور ناگفتہ بہ الزامات لگائے گئے تھے۔ منجملہ ان کے جو امام باڑہ سے عمیق تعلق رکھتے ہیں یہ تھے کہ جائداد موقوفہ کی ضمانت پر اپنے ذاتی مصارف کے لئے قرض لیتے رہتے ہیں اور امام باڑہ کو بھی بتاریخ ۱۷ جولائی ۱۹۰۰ء بالعوض مبلغ دوسو روپے بذریعہ رہن نامہ رجسٹری شدہ رہن کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی شرائط وقف نامہ کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بماہ مارچ ۱۸۹۸ء حکیم نظیر حسن خاں صاحب اور ان کی والدہ نے بعدالت ڈسٹرکٹ جج لکھنؤ محمد صادق و عالیہ بیگم کو تولیت امام باڑہ سے سبکدوش کئے جانے اور خود اپنے تئیں متولی قرار دیئے جانے کی درخواست پیش کی جس پر گھن گرج مقدمہ بازی ہوئی۔ جب کئی سال گزر گئے اور خدا خدا کر کے ثبوت گذرنے کی نوبت آئی تو حکیم صاحب (۱) اور محمد صادق نے ایک راضی نامہ عدالت میں داخل کر دیا جس کی رو سے دونوں صاحبان مشترکہ طور پر متولی قرار دیے گئے مگر اس پر بھی محمد صادق نے جائداد موقوفہ پر حکیم صاحب کو قبضہ نہ دیا جس کے لئے مسلسل مقدمہ بازی ہوتی رہی بالآخر حکیم صاحب اور نواب مرتضیٰ حسین مشترکہ طور پر متولی مقرر ہوئے حکیم صاحب کے بعد آخر الذکر تنہا انتظام کرتے رہے۔ ان کے بعد ان کے برادر خورد نواب ابوالحسن خاں ان کے قائم مقام ہوئے۔ ان کی رحلت کے بعد سے ان کے چھوٹے بھائی نواب رضا علی خاں صاحب فرائض متولی انجام دے رہے ہیں۔

امامباڑہ داراب علی خاں

یہ امامباڑہ احاطہ فقیر محمد خاں میں امین آباد انٹر کالج کی

(۱) حکیم نظیر حسن خاں صاحب نہایت با اخلاق، سادگی پسند اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ دوہرا ڈیل، میانہ قد، گندمی رنگت چہرہ گول بھرا ہوا جس پر کترواں داڑھی، سر پر پٹے جس پر ہمیشہ سیاہ ایرانی ٹوپی استعمال کرتے، گلے میں چھ کلیا اچکن یا شیروانی جس کے نیچے عموماً غرارہ دار پائجامہ ہوتا۔ پیروں میں فل سلیپر یا پمپ شوز اور جب پیدل چلتے تو ہاتھ میں تسبیح ہوتی۔ پوری عمر ایک وضع سے بسر کی۔ عرصہ تک میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ رہے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کی دارالشفاء واقع چوک کے آخر دم تک سپرنٹنڈنٹ اور طبیب رہے۔ عرصہ تک ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر اور سنٹرل جیل لکھنؤ کے غیر سرکاری وزیٹر۔

شاہ نصیر الدین حیدر کے محتاج خانہ واقع وکٹوریہ اسٹریٹ کا انتظام و انصرام بھی عرصہ تک ان کے متعلق رہا۔ ۱۸۹۸ء میں گورنمنٹ ہند کی جانب سے سند خوشنودی عطا ہوئی ۱۹۰۱ء میں خطاب ''خان بہادر'' مرحمت ہوا۔ باغ مکا متصل بازار راجہ میں سکونت تھی۔ ۱۳۴۸ھ میں بعمر ۷۰ سال اس دارفانی کو الوداع کہی۔ ۱۳۴۸ھ دارالشفا کو چھوڑ کے دارالبقا میں آئے۔ ان کا سنہ انتقال ہے موصوف کے پردادا حکیم مرزا علی خاں کو شاہ زمن غازی الدین حیدر نے طبیب شاہی کے منصب پر مامور کر کے ''حکیم الملوک'' کے خطاب سے ممتاز فرمایا تھا۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ نے بھی ان کی خدمات سے خوش ہو کر دیوپور اور جلال پور روم موضع بطور معافی عطا کیے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند حکیم مرزا علی حسن خاں اپنے آبائی منصب پر سرفراز ہوئے۔ شاہ اودھ نے ان کو سلطان الحکماء، حیواۃ الملک، مسیح الدولہ حکیم مرزا علی حسن خاں بہادر جنگ کے معزز خطاب سے مفتخر فرمایا اور ان کی اعلیٰ قابلیت اور حسن انتظام کے پیش نظر ۱۸۵۲ء میں سفیر شاہی مقرر کیا۔ موصوف کے بیٹے حکیم مظفر حسین خاں بھی اپنے علم و فضل کے لئے مشہور تھے۔ ان کے کتب خانہ کی بہت دھوم تھی جس میں بکثرت قلمی نسخے موجود تھے۔

(ماخوذ از ماہنامہ الواعظ، لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ محرم ۱۳۷۴ھ/ اگست، ستمبر ۱۹۵۴ء ص ۴۹/ تا ۵۲/)

پشت پر قریب ہی واقع ہے جس کے متعلق ایک بڑی آمدنی کی جائداد بھی وقف ہے۔

اس کے بانی میاں داراب علی خاں خواجہ سرا ولد عبداللہ ساکن مولوی گنج نواب ملکہ عہد کے یہاں نواب ناظر تھے۔ حسینی(۱) خانم صاحبہ مخاطب بہ نواب ملکہ عہد حضرت امجد علی شاہ کا ایک محل تھیں جن کے لئے بادشاہ نے محلہ حضرت گنج میں ایک سہ منزلی عالیشان کوٹھی تعمیر کرائی تھی جو ملکہ عہد کی کوٹھی کے نام سے مشہور تھی۔ اسی میں موصوفہ کا قیام تھا۔

بماہ ستمبر(۲) ۱۸۵۷ء میں جب غدر کی ہنگامہ آرائیاں پورے شباب پر تھیں تو ایک روز پچاس گورے حضرت گنج کے مشرقی پھاٹک سے داخل ہوئے، نواب ملکہ عہد کے خاص برداروں نے میاں داراب علی خاں نواب ناظر کے حکم سے دونوں طرف کوٹھوں پر چڑھ کر خوب گولیوں کا مینھ برسایا، مغربی سمت کا پھاٹک بہت مضبوطی سے بند کر دیا گیا تھا۔ گورے وہاں سے پلٹ آئے۔ خوب مار پڑی پھر امجد علی شاہ کے مقبرہ موسومہ ''سبطین آباد'' میں آئے۔ اس کے بڑے پھاٹک کو دیکھ کر خیال کیا کہ قصر سلطانی بھی ہے۔ ایک توپ بھی پھاٹک پر تھی مگر گولہ انداز بھاگ گئے تھے۔ مفتاح الدولہ کے اردلی ان کے حکم سے توپ پر کیل لگا کر پٹنی کو گھسیٹ لے گئے۔

جب گورے مقبرہ میں آئے تو ایک شخص نے کہا یہ قبرستان ہے یہاں مردے دفن ہیں، ایوان شاہی آگے ہے۔ گورے وہاں سے باہر نکل آئے توپ کا کچھ خیال نہ کیا۔

انتزاع سلطنت کے بعد پوسٹ ماسٹر جنرل کا دفتر عرصہ تک ملکہ عہد کی کوٹھی میں رہا۔ ملکہ عہد کو داراب علی خاں پر بہت اعتماد اور بھروسہ تھا اور ان کا بہت خیال بھی کرتی تھیں۔ چنانچہ موصوفہ نے ۱۴/اگست ۱۸۶۶ء کو ایک وصیت نامہ تحریر کر کے اپنے پسر وصی مرزا سلیماں قدر کو بروئے نوشتۂ مذکور یہ ہدایت کی کہ میرے بعد میری تنخواہ کے ایک ثلث میں سے منجملہ دیگر امور سو روپئے ماہوار داراب علی خاں کو بھی ان کی زندگی بھر ادا کرتے رہیں اور اخراجات امامباڑہ مثل مجالس، روشنی عشرہ محرم، ماہانہ مجالس و تنخواہ قرآن خواناں زیر اہتمام میاں موصوف ہمیشہ جاری رہیں۔ اپنی والدہ کے انتقال کے بعد مرزا سلیماں قدر نے ۱۵ دسمبر ۱۸۷۱ء سے لے کر ۱۵ دسمبر ۱۸۷۲ء تک کی تنخواہ داراب علی خاں کو ادا نہ کی۔ وہ وصیت نامہ کی شرائط کو ناجائز قرار دے کر توڑنا چاہتے تھے۔ داراب علی خاں نے مجبور ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر عدالت کر دیا۔ جو ان کے موافق طے ہوا اور شرائط مندرجہ وصیت نامہ قانوناً جائز تسلیم کر لی گئیں۔ مرزا سلیماں قدر مقدمہ کو پریوی کونسل تک لے گئے مگر ہر عدالت سے فیصلہ داراب علی خاں ہی کے موافق ہوا لیکن باوجود صدور ڈگری داراب علی خاں نے ایک حبہ وصول نہ کیا بلکہ جب شہزادہ صاحب نے ان سے از خود فرمایا کہ اپنا حساب بیباق کر لو تو عرض کیا کہ خدا کے فضل و کرم سے میری ضرورتوں کے لئے میرے پاس کافی مال و دولت موجود ہے، میں نے تو دعویٰ صرف یہ ثابت کرنے کو کیا تھا کہ وصیت نامہ جائز ہے اور میں حق پر ہوں اور اگر چاہوں تو بذریعۂ عدالت بھی وصول کر سکتا ہوں۔

داراب علی خاں کو بٹیروں اور مرغوں کا بہت شوق تھا جن کی نگرانی و پرداخت کے لئے بہت سے بٹیر باز اور مرغ باز نوکر تھے۔

جب داراب علی خاں زندگی کی ستر بہاریں دیکھ چکے تو ۱۹ رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق ۲۹/اپریل ۱۸۹۱ء میں اپنی جائداد کے آئندہ انتظام اور اپنی خواہشات کو اپنے بعد پورا کرنے کی غرض سے ایک وصیت نامہ تحریر کر کے مصدق بہ رجسٹری کرا دیا، اس وقت وہ مرض تنفس میں مبتلا تھے مگر ہوش و حواس بجا تھے۔ وقف نامہ کے شروع میں بطور تمہید لکھتے ہیں:۔

ا۔(نواب ملکہ عہد کے مفصل حالات کے لئے مضمون راقم بہ سلسلہ بیگمات شاہی اودھ ملاحظہ کیجئے)

۲۔(قیصر التواریخ جلد دوم۔ صفحہ ۲۶۹/)

نہ کوئی میرا وارث شرعی یا غیر شرعی ہے نہ میں کسی بادشاہ یا شخص دیگر کا ''عبد مملوک'' ہوں بلکہ اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر بہ ہمہ وجوہ وصیت کرنے کا اختیار رکھتا ہوں۔

آگے چل کر اپنا منشاء دلی اغراض وقف ظاہر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں بغرض جاری و نافذ رکھتے ہوئے خیر ومذہبی ابداً دواماً مثل مجالس امام باڑہ و پرورش متوسلین وملازمین و اشخاص مستحق واعانت بنا بر شادی دختران ناکتخدا شرفاء ومحتاج کہ جس کے باعث ثواب ابدی ودوامی ممکن ہے، وصیت کرتا ہوں اور بشیر علی خاں کو جو میرے ہم جنس و ہم قوم ہیں اپنا وصی مقرر کرتا ہوں۔ان کو لازم ہے میرے منشاء کو پورا کریں اور اپنی حیات میں دو شخص دیگر لائق وہم قوم وہم جنس اپنے حتی الامکان خواجہ سرا کو منتخب کر کے اپنے بعد کے لئے اپنا قائم مقام مقرر کرتا رہے۔

داراب علی خاں کو اپنے ملازمین ومتوسلین کی پرورش کا بہت خیال تھا چنانچہ وصیت نامہ کی دفعہ ششم میں لکھ گئے کہ مرغ خانہ و بٹیر خانہ یہ سب میرے شوق کے ہیں اگر وصی کو شوق نہ ہو تو بشرط امکان ضرورت کے ان لوگوں سے دوسرا کام لے کر پرورش کی جائے۔

موصوف نے جو جائداد وقف کی اس کی آمدنی تقریباً ترپن چوّن ہزار روپیہ سالانہ ہوتی ہے۔فہرست جائداد غیر منقولہ مندرجہ وقف نامہ حسب ذیل ہے۔

۱۔محمد پور مسلم موضع ملیح آباد
۲۔بہرولی موضع فتح پور ضلع بارہ بنکی
۳۔محمد پور نیوگا، موضع کرسی، فتح پور، ضلع بارہ بنکی
۴۔بنیان ٹیکر پار کرسی، فتح پور، ضلع بارہ بنکی
۵۔لکور مسلم موضع کرسی، فتح پور، ضلع بارہ بنکی
۶۔انواری کرسی فتح پور سے حصہ ہے/مخملہ یکصد روپیہ
۷۔لوناہار، کرسی حصہ ہے، مخملہ یک صد روپیہ
۸۔امرنندہ، کرسی فتحپور ۱۶ بیگہ ۳ گٹھے آراضی
۹۔محمود آباد مسلم موضع، دیوہ، نواب گنج
۱۰۔مٹئی، دیوہ مرہونہ
۱۱۔کریم آباد، مسلم موضع مرہونہ
۱۲۔بستہ لکھنؤ۔۔۔سالانہ
۱۳ و ۱۴۔مکان خام و پختہ چکمنڈی
۱۵۔امام باڑہ واقع احاطہ فقیر محمد خان
۱۶۔مکان پختہ مولوی گنج
۱۷۔آراضی ملحقہ مکان بالا
۱۸۔مکان خام سبحان نگر متصل بارہ دری درگاہی لال
۱۹۔آراضی کنارے سڑک ریلوے
۲۰۔آراضی ودوکان وکٹوریا گنج
۲۱۔درآمد دوکانات حضرت گنج

اشیاء منقولہ کی فہرست مرتب کر کے علٰحدہ دیوان ومختار ومحرر کے حوالہ کردی۔

اخراجات کی فہرست بھی وصیت نامہ میں حسب ذیل دی ہوئی ہے

مصارف امامباڑہ از آمدنی محمد پور و کرایہ مکانات ودوکانات سالانہ

مصارف مجالس سالانہ وروشنی قبر حاجی توکل علی خاں
تنخواہ داران۔۔۔۔ماہوار
صرفہ مجالس محرم وماہوار مع روشنی صمار سالانہ
شیرنی مجالس۔۔۔۔۔ماہوار
قرآن خوان قبر حاجی توکل صاحب یک نفرے ؍روپیہ
قرآن خوانی قبر بی شیریں جشن
تنخواہ وصی حاجی بشیر علی خاں۔۔۔درماہہ تاحیات
تنخواہ نائب محمد امان علی خاں۔۔۔درماہہ تاحیات
مصارف تجہیز وتکفین، مجالس سیوم، دہم وبی ام وچہلم ودیسہ سالانہ منموصی حسب تجویز وصی و نائب وصی۔۔۔۔۔ روپیہ سالانہ برائے مصارف کربلائے دیانت الدولہ۔

چودہ سو روپیہ سالانہ۔

داراب علی خاں نے بعد تحریر وصیت نامہ ۱۸۹۱ء ہی میں انتقال کیا۔ لاش کربلائے معلیٰ بھیجی گئی اور روضۂ جناب عباسؑ کی ایک صحنچی میں دفن کی گئی۔ حاجی بشیر علی خاں کے انتقال پر شیدی عنبر متولی قرار پائے جو نواب ملکہ جہاں کے زرخرید حبشی غلام تھے اور موصوفہ ہی کے دامن دولت سے وابستہ تھے مگر ان کی بدانتظامیوں اور بے عنوانیوں کی وجہ سے ان کی برخاستگی کے لئے دعویٰ دائر عدالت کیا گیا جس پر ۳۰ مئی ۱۹۲۳ء کو ایک نئی اسکیم برائے انتظام و انصرام وقف داراب علی خاں بحکم بابو شنکر دیال صاحب اڈیشنل ڈسٹرکٹ جج مرتب کی گئی جس کی رو سے قرار پایا کہ سات متولیان کا ایک بورڈ مرتب کیا جائے جس کے اراکین امامیہ مذہب کے پیرو ہونے علاوہ صفات امانت و دیانت و اہلیت سے متصف ہوں۔ امور وقف کے انتظام و انصرام کی پوری قابلیت رکھتے ہوں اور شہر لکھنؤ کے مستقل باشندے ہوں۔ اسی اسکیم کے ماتحت تشکیل دیا ہوا سات اصحاب کا ایک بورڈ وقف داراب علی خاں نیز کربلائے دیانت الدولہ کا انتظام کرتا ہے۔

اسمائے گرامی موجودہ اراکین بورڈ یہ ہیں:۔

(۱) جناب تعشق مرزا صاحب ایڈوکیٹ صدر بورڈ

(۲) جناب غلام حسنین صاحب ایڈوکیٹ

(۳) جناب خاں بہادر مولوی مہدی حسین صاحب

(۴) جناب مرزا عابد حسین صاحب ایڈوکیٹ

(۵) جناب شیدی امیر حسین صاحب جن کے والد بلال اور چچا ہلال تھے اور خود شروع میں سرکار ملکہ جہاں سے وابستہ تھے۔

(۶) جناب مولانا سید کلب حسین صاحب مجتہد

(۷) جناب سید محمد نقی صاحب ایڈوکیٹ

اراکین نمبر ۶ و ۷ کو شیعہ وقف بورڈ نے نامزد کیا ہے مگر ممبران بورڈ نے اعتراض کیا ہے کہ یہ نامزدگی بے قاعدہ ہے۔ معاملہ زیر غور ہے اس لئے یہ دونوں اسم ابھی مشکوک ہیں۔

کارہائے خیر کی مد میں جاڑوں میں کمبل تقسیم ہوتے ہیں۔ رانڈ، بیواؤں کو گذارہ دیا جاتا ہے۔ غریب غربا کی تجہیز و تکفین اور نادار و لاچار شرفاء کی ناکتخدا لڑکیوں کی شادیاں بھی کرائی جاتی ہیں۔ ایک مدرسہ کو مالی امداد بھی دی جاتی ہے جو امامباڑہ ہی کی عمارت میں قائم ہے اس میں دینیات کی تعلیم بھی ہوتی ہے۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ جمادی الآخر ۱۳۶۷ھ
۷ر اپریل ۱۹۴۸ء ص ۱۴۔۱۲



امام باڑہ شہزادہ سکندر شکوہ

یہ عالی شان امامباڑہ امین الدولہ پارک کے جانب جنوب پھاٹک کے اندر واقع ہے۔ اس کو مرزا سکندر شکوہ نے بعہد دولت نواب سعادت علی خاں بنوایا تھا۔ مرزا سکندر شکوہ اعلیٰ حضرت شاہ عالم بادشاہ دہلی کے لخت جگر اور حضرت محمد اکبر شاہ ثانی کے سگے بھائی تھے۔ حضرت شاہ عالم کی خاص محل نواب قدسیہ بیگم ایران کے شاہی صفویہ خاندان کی چشم و چراغ اور امامیہ مذہب کی پیرو تھیں بادشاہ کے ان سے کئی شہزادے ہوئے ان میں سے بعض نے باپ کا طریق اختیار کیا اور بعض نے ماں کا۔ ان شہزادوں میں مرزا جہاندار شاہ بہ زمانہ حکومت نواب آصف الدولہ بوجوہات چند در چند دہلی سے لکھنؤ چلے آئے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ باپ کے طریق پر حنفی المذہب تھے۔ نواب آصف الدولہ نے ان کے پچیس ہزار روپیہ ماہانہ بطور گذارہ مقرر کئے۔ اس کے بعد شہزادے بعض اسباب کی بنا پر بنارس منتقل ہو گئے ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مرزا سلیماں شکوہ آئے ان کے بھی ۶ ہزار روپے ماہوار مقرر ہوئے پھر جب شاہ زمن غازی الدین حیدر نے اپنے نورِ نظر مرزا نصیر الدین حیدر کی شادی مرزا سلیماں شکوہ کی بیٹی رقیہ سلطان بیگم سے کی تو ۶ ہزار روپیہ ماہانہ اور اضافہ کر دیے اب بارہ

ہزار روپیہ ماہوار ملنے لگے مابعد ان کے برادر خورد مرزا سکندر شکوہ لکھنؤ آئے آخر الذکر دونوں شہزادے ماں کے طریق پر شیعہ تھے اکبر شاہ ثانی جو شاہ عالم بادشاہ کے بعد تاج وتخت کے مالک ہوئے ان ہی شہزادوں کے سب سے بڑے بھائی تھے انھوں نے مذہب اہلسنت اختیار کیا تھا مرزا سکندر شکوہ پوشیدہ طور پر آغا شجاعت علی خاں کے ساتھ آئے اور پڑائن کے باغ کے پچھواڑے ایک انگریز کی کوٹھی و باغ کرایے پر لے کر اس میں سکونت اختیار کی۔ مرزا سلیماں شکوہ نے جو لکھنؤ میں قبل سے موجود تھے دس روپیہ یومیہ ان کے خاصہ کے لئے مقرر کر دیے۔ موصوف کے ہمراہ دہلی سے اکثر ارباب علم ودانش مثل مرزا محمد حسن قتیل (۱) میرا کبر علی وکیل و آغا شجاعت علی خاں وغیرہ آئے تھے۔

یہ زمانہ کرنیل جان بیلی کی ریذیڈنسی کا تھا اس وقت مرزا فخر الدین احمد عرف مرزا جعفر کا طوطی بول رہا تھا۔ مرزا قتیل سے مرزا جعفر اور ان کے بیٹے قمر الدین احمد عرف مرزا حاجی سے بہت راہ ورسم تھی ان کی کوشش سے کئی برس کے بعد گورنمنٹ انگریز نے ہزار روپیہ ماہوار بطور گزارہ شہزادہ موصوف کے مقرر کر دیے۔

مرزا سلیماں شکوہ نے نواب سعادت علی خاں سے اکثر مرزا سکندر شکوہ کا تذکرہ کیا مگر انہوں نے ہر بار یہی عرض کیا کہ مجھے شرف ملازمت حضور کیا کم ہے مگر جب مرزا جواں بخت کے بیٹے مرزا عالی قدر کی شادی مرزا سلیماں شکوہ کی بیٹی سے ہوئی تو آخر الذکر ہندوستان کی رسم کے مطابق محفل میں حاضر نہ تھے۔ ان کے بجائے مرزا سکندر شکوہ انتظام وانصرام محفل میں مصروف تھے۔ جب نواب سعادت علی خاں شریک محفل ہوئے تو مرزا سکندر شکوہ ایسے وسیع الاخلاقی سے پیش آئے کہ نواب سعادت علی خاں بہت خوش ہوئے اور ان کے بڑے بھائی کی عنایتوں کو بھی بھول گئے بلکہ چند روز میں دونوں ایسے ہم پیالہ ہم نوالہ ہو گئے کہ بقول سید کمال الدین حیدر (مصنف قیصر التواریخ) مرزا سلیماں شکوہ نے بھائی کو بہ تہدید لکھا کہ وزراء و امراء سے اس طرح ملنا ہمارے خاندان کی توہین ہے غرض کہ ہزار روپیہ ماہوار نواب سعادت علی خاں نے بھی مرزا سکندر شکوہ کے مقرر کئے اب ان کی آمدنی دو ہزار روپیہ ماہوار کی ہو گئی۔ اس رقم میں مرزا شجاعت علی خاں کی معرفت ان کا ضروری سامان امارت درست ہو گیا۔

نواب سعادت علی خاں ان کی سلاست روی اور کردار ورفتار سے بہت خوش تھے۔ مرزا سلیماں شکوہ کی چھ ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی تھی مگر اس پر بھی اپنی شاہ خرچیوں اور لاپرواہی

---

(۱) مرزا قتیل نو مسلم تھے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا نام دیوان سنگھ تھا ان کے باپ درگا ہی مل فرید آباد ضلع دہلی کے باشندے قوم کے کھتری تھے قتیل ایک مدت تک امیر الامرا غازی الدین خاں بہادر عماد الملک کی مصاحبت میں رہے اس کے بعد شہزادہ سکندر شاہ کے ہمراہ لکھنؤ چلے آئے یہاں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی شعر و شاعری میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ نظم ونثر دونوں کے استاد تھے فارسی وترکی میں بھی بہت استعداد بہم پہونچائی تھی عرب وعجم وترکستان کا سفر کر کے فارسی وترکی کے محاورات کی بہت تحقیق وتدقیق کی تھی۔

قواعد فارسی کے متعلق ان کے کئی چھوٹے چھوٹے رسالہ اور ایک دیوان بزبان فارسی یادگار ہے جب نواب سعادت علی خاں نے درگاہ حضرت عباس کو نئے سرے سے بنوایا اور بالائی حصہ میں سنہرا کمرخی گنبد بھی تعمیر کرایا تو قتیل ہی نے اس کی تاریخ کہی ''ایں گنبد جدید بنائے سعادت است''

ان کے علم وکمال کا شہرہ سن کر نواب سعادت علی خاں والی اودھ کو بھی ان سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا اور موصوف کو طلب فرمایا مگر انھوں نے عرض کیا میں تعمیل ارشاد کے لئے بسروچشم حاضر ہوں مگر چند باتوں کا بے حد عادی ہو گیا ہوں ایک تو حقہ ہر دم ہمدم وانیس رہتا ہے دوسرے دستار سے طبیعت الجھتی ہے فقط کلاہ سادہ استعمال کرتا ہوں تیسرے جو علم حاصل کیا ہے اس کی تعظیم وتکریم کا امیدوار ہوں اگر یہ تینوں صورتیں منظور خاطر عاطر ہوں تو شوق سے طلب فرمائیں فقیر بخوشی حاضر ہے اور اگر خلاف رائے بندگان حضور ہے تو بندہ کو قیام شہر نا منظور ہے علم دوست اور ہنر پرور نواب نے ان کی تینوں شرطیں منظور کر لیں اور بے تکلف آنے کی اجازت دی مگر جس وقت مرزا کے دروازہ پر پہونچنے کی خبر ہوئی تو نواب نے پہلے سے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ جس وقت مرزا اندر داخل ہوئے پہلے کھڑے کھڑے ملاقات ہوئی پھر دونوں بیٹھ گئے حقہ کی طرف نواب نے توجہ کی اور نہ مرزا نے ہی دم مارا مرزا کے سر پر بھی درباری پگڑی نہ تھی صرف سادی کلاہ تھی۔ مرزا نے ۱۲۳۲ھ اور بقولے دیگر ۱۲۳۳ھ میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔

کی بدولت مہاجنان شہر کے قرضدار ہوجاتے تھے لیکن مرزا سکندر شکوہ نے اسی دو ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی سے رقم پس انداز کر کے سکونتی باغ کو خرید لیا اور اس میں امامباڑہ و کوٹھی و محل سرا مکلوڈ صاحب انجینئر ملازم ریاست اودھ کے زیر اہتمام تعمیر کرائی۔ نواب سعادت علی خاں اکثر صبح کو تعمیر کے معائنہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ کوٹھی دونوں کی اتفاق رائے سے تعمیر ہوئی تھی اور نواب سعادت علی خاں اکثر روپیہ بھی برائے تعمیر بھیجتے تھے۔ سفر میں بھی اکثر انہیں کو ساتھ لیجاتے تھے دس ہزار روپیہ سفر خرچ کے لئے بھیجتے تھے۔

مرزا سکندر شکوہ نے اپنے بیٹے مرزا عباس شکوہ کو دہلی سے بلوا بھیجا اور جو رقم گذارہ سرکار اودھ سے مقرر تھی وہ ان کے نام جاری کرادی۔ تعزیہ داری امامباڑہ میں بڑے تکلف سے کرتے تھے۔ حضرت غازی الدین حیدر کے عہد حکومت میں سفر آخرت اختیار کیا اور اپنے ہی امامباڑہ میں دفن کئے گئے ان کے انتقال پر جو دو ہزار روپے سرکار انگلشیہ سے مقرر تھے اس میں سے چہارم حصہ وضع ہو کر ساڑھے سات سو روپیہ ماہوار مرزا عباس شکوہ کو ملنے لگے۔

مشاہرہ شاہی کی صورت یہ ہوئی کہ مرزا عباس شکوہ جب تک قلعۂ دہلی میں مقیم تھے اس وقت تک مذہب امامیہ کے پیرو رہے اکثر عشرہ محرم میں ان سے اور دیگر شہزادوں سے بوجہ اختلاف مذہب قصہ ہوجاتا تھا۔ لکھنؤ میں باپ کے انتقال کے بعد مذہب حنفی اختیار کیا اور تصوف کی جانب میلان ہوا۔ حافظ وارث علی شاہ کے داماد کے مرید ہوئے۔ رنگین لباس مثل فقراء اختیار کیا اور بقول سید کمال الدین حیدر عشرہ محرم میں آٹھویں کو نواب معتمدولہ آغا میر کے یہاں مجلس میں تشریف لے گئے۔ وہاں تبرّا ہوا ان کو بہت برا معلوم ہوا، مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ صاحب خانہ کو بہت تعجب ہوا انھوں نے کل ماجرا بادشاہ سے عرض کیا چنانچہ ہزار روپیہ ماہوار جو سرکار شاہی سے ملتے تھے موقوف ہوگئے۔

حضرت غازی الدین حیدر کے عہد حکومت میں مرزا عباس شکوہ کی بیگم نے بہ سبب ناموافقت مہر کا دعویٰ دائر کیا۔ کل املاک دین مہر میں قرق ہوگئی۔ نواب امین الدولہ نے تخمیناً اٹھائیس ہزار روپے کو مول لی۔ شہزادہ موصوف ٹیپو خاں کے مکان میں اٹھ گئے۔ امین الدولہ نے اور آراضیات دوسرے لوگوں سے خرید کر باغ میں شامل کیں اور لاکھوں روپے صرف کر کے امین آباد بازار وغیرہ بنوایا۔

بڑی محل سرا موسومہ بارہ دری جو امامباڑہ کے جانب مغرب واقع ہے، نواب امین الدولہ نے اپنی حیات میں اپنی بیوی عباسی خانم کو جو نواب کی پھوپھی زاد بہن تھیں ہبہ کردی جس پر وہ بحیثیت مالک قابض رہیں۔ بعد انتقال نواب انہوں نے نواب مرحوم کے داروغہ کتب خانہ سید مصطفیٰ صاحب سے عقد ثانی کر لیا۔ ان سے ایک لڑکی مہدی بیگم پیدا ہوئی اس کے بعد سید مصطفیٰ کا انتقال ہوگیا اور عباسی خانم نے پھر تیسرا نکاح محمد باقر سے کیا۔ اس کے بعد عباسی خانم بھی عالم بالا کو راہی ہوگئیں۔ ان کی رحلت پر ان کی جائداد میں ۴ر بطور حق شوہری محمد باقر کو ملے اور ۶ر وزیر النساء خانم دختر کو جو نواب امین الدولہ سے تھیں اور باقی ۶ر دوسری بیٹی مہدی بیگم کو ملے جو سید مصطفیٰ سے تھیں۔ محمد باقر نے اپنا حصہ بقدر ۴ر علٰحدہ کر کے وزیر منزل لے لی جو محل سرا کی نشست گاہ تھی۔ اس کو آخر میں شیخ فرزند علی صاحب وکیل نے خریدا۔ محل سرا کو ۱۹۰۷ء میں افسر جہاں بیگم صاحبہ زوجہ جناب ممتاز حسین صاحب بیرسٹر نے دس ہزار روپیہ کو خریدا۔

۱۹۱۳ء میں جب منیوسپل بورڈ لکھنؤ نے باغ امین الدولہ کوٹھی وغیرہ لے کر پارک بنانے کو کھود کر ہموار کردی تو مسٹر ممتاز حسین نے امامباڑہ مرزا سکندر شکوہ کی عمارت مبلغ تین ہزار روپے کو بحیثیت سکریٹری انجمن اصلاح المسلمین منیوسپل بورڈ لکھنؤ سے

بنام انجمن مذکور خرید کر اس میں یتیم خانہ قائم کیا جس کا نام بعد میں موصوف کی یادگار میں ''ممتاز دارالیتامیٰ'' رکھا گیا جو تا حال عمارت مذکور میں برقرار ہے اور کامیابی سے چل رہا ہے۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ/فروری ۱۹۴۸ء ص/۳۹ تا ۴۲



قدم رسولؐ لکھنؤ

نصیرالدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد دولت میں مابین ۱۸۳۷ء۔ ۱۸۲۷ء ایک زائر ملک عرب سے ایک پارۂ سنگ بطور تبرک لایا اور بیان کیا کہ اس پر جناب سرور کائنات رسول مقبولؐ کے پائے مبارک کا نشان موجود ہے۔ چنانچہ اس مقدس یادگار کو سکندر باغ حال کے ایک گوشہ میں ایک بہت بلند اور نمایاں ٹیلہ پر ایک مختصر سا یک قبّی حجرہ بنوا کر اس میں نصب کر دیا گیا اور لوگ جوق جوق زیارت کے لئے آنے لگے بعد میں یہ عمارت ''قدم رسول'' کے نام سے موسوم ہوگئی اور ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ عظیم تک قائم رہی۔

سنہ مذکور میں جب بغاوت کے شعلے بلند ہوئے تو کوئی ذات پاک اس متبرک پتھر کو آنکھ بچا کر کھسکا لے گئی مابعد دیسی فوجوں نے انگریزوں کو مغالطہ دینے کے لئے اس عمارت کو بارود کا گودام بنادیا۔ چونکہ سپاہ باغی ان مسجدوں میں جمع ہوکر جو بیلی گارد کے قریب واقع تھیں، محصورین بیلی گارد کو بہت مالی نقصان پہونچاتے تھے، اس لئے انجینئروں نے رائے دی کہ ان تمام مسجدوں کو ٹھنڈا کر دیا جائے مگر سر ہنری لارنس مصر تھے کہ معبد خانوں کو بہر صورت بچائے رکھنا چاہئے، اسی لئے اہل لشکر کو یقین تھا کہ ان کے بارود خانہ کا راز افشانہ ہوگا۔

دوبارہ کمک آنے پر ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ء کو سکندر باغ میں بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ کشت وخون سے پورا باغ لالہ زار ہوگیا۔ انگریزوں کی تعداد دیسی فوج کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی، اس لئے انگریز مظفر ومنصور ہوئے۔ تھوڑی دیر دم لے کر اس فوج نے بیلی گارد کی طرف کوچ کیا۔ ابھی قریباً صرف چار ہی سو گز پیش قدمی کی ہوگی کہ قدم رسولؐ کے مقام پر ان کا زبردست مقابلہ ہوا، مگر ان مٹھی بھر مقابلہ کرنے والوں نے بھی بوجہ اس کے کہ سکندر باغ میں ان کے ساتھی بہت جگری اور پامردی سے جان پر کھیل کر لڑے تھے مگر آخر میں پسپا ہو گئے تھے ان گنتی کے سپاہیوں نے بھی آخر کار ہمت ہار کر جی چھوڑ دیا اور یہ مقام بھی آسانی سے پنجاب کی پیدل فوج کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔

۱۸۵۸ء کے آغاز میں بہت سے مقامات پر دوبارہ قبضہ کیا گیا ۱۱ مارچ ۱۸۵۸ء کو دو انجینئروں میڈلی اور لینگ (Medelly & Lang) نے معائنہ کیا تو قدم رسولؐ اور شاہ نجف کی عمارتوں کو سرکشوں اور سرہنگوں سے بالکل خالی پایا چنانچہ انہوں نے اپنے آدمیوں سے ان کے تیار کردہ دھسوں اور دیگر مدافعتی مقامات کو کھدوا کر زمیں دوز کرادیا۔

اب قدم رسولؐ کی پوری عمارت اجاڑ اور سنسان پڑی ہے۔ چاروں طرف جھاڑ جھنکاڑ مٹی کے ڈھیر اور حشرات الارض کے مسکن ہیں۔ کل عمارت پھوٹ کی طرح کھل کر رہ گئی ہے۔ قبہ تک پہونچنا خطرہ سے خالی نہیں ہے مگر اس کے اوپر پہونچکر چاروں طرف کا نہایت خوشنما و پرشوکت منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

(مدیر الواعظ :۔ ہم شکر گذار ہیں کہ وکیل صاحب الواعظ کی قلمی امداد میں جان ودل سے مصروف ہیں اور ان کی عرق ریزی سے محترم قارئین الواعظ بہت خوش ہیں۔ لکھنؤ میں قدم رسولؐ کے نام سے دو عمارتیں اب بھی موجود ہیں:۔

(۱) محلہ نوبستہ میں ایک قدیم زیارت گاہ ہے جو راستہ مہدی گنج سے کھالہ کی بازار جاتا ہے بائیں ہاتھ کی طرف واقع ہے اس کے انتظامات زیر نگرانی میر محمد تقی صاحب مرحوم جو پرانی

وضع کے ایک بزرگ تھے، انجام پاتے تھے مرحوم نے ایک سو پانچ برس کی عمر میں انتقال کیا اور ان کی رحلت کے بعد سے عمارت کی حالت اور بھی خراب ہوگئی ہے۔

(۲) رستم نگر روڈ پر ایک مختصر عمارت ہے جو درگاہ حضرت عباسؑ جاتے ہوئے داہنے ہاتھ پر پڑتی ہے ان عمارتوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنا وکیل صاحب ہی ایسے متجسس کا کام ہے امید ہے کہ وہ ان تاریخی عمارات پر بھی وقت فرصت میں توجہ مبذول فرمائیں گے۔)

(ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ ربیع الآخر ۱۳۶۷ھ/ مارچ ۱۹۴۸ء ص ۱۵/تا۱۶/)

شاہ نجف لکھنؤ

نواب سعادت علی خاں مرحوم نے ۲۹ رجب ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۸۱۴ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ ان کی وفات پر ان کے بڑے بیٹے نواب غازی الدین حیدر خاں مسند نشین ریاست ہوئے۔

انہوں نے موتی محل سے تھوڑے فاصلہ پر سکندر باغ کی بغل میں ۱۲۳۲ھ میں اپنا امام باڑہ موسومہ شاہ نجف تعمیر کرایا۔ اصل روضہ بمقام نجف اشرف حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مزار پر انوار پر بنا ہوا ہے مگر دونوں کی وضع قطع میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

امام باڑہ شاہ نجف میں داخلہ ایک خوشنما اور عالیشان پھاٹک کے ذریعہ ہوتا ہے جس کے اوپر پورے قد کے دو خاکی شیر بنے ہوئے ہیں اول پھاٹک کے سامنے ہی تھوڑے فاصلہ پر ایک دوسرا پھاٹک کسی قدر بلندی پر ہے دونوں پھاٹکوں کے درمیان پختہ راستہ ہے جس کے دونوں جانب وسیع صحنوں میں سبزہ لگا ہوا ہے اور کہیں کہیں پر چمن بندی بھی کی گئی ہے۔

دوسرے پھاٹک میں داخل ہونے پر روضہ کی پشت جانب جنوب ملتی ہے۔ اس دروازہ میں اوقات دریافت کرنے کے لئے گھنٹہ نصب ہے۔ روضہ کے چاروں طرف غلام گردش ہے اور بالائی حصہ میں ایک بڑے قد کا خوبصورت گنبد تعمیر ہے جس پر سنہری کلسی لگی ہوئی ہے۔

امام باڑہ میں داخلہ شمالی جانب سے ہوتا ہے جس کی برساتی سے ایک پختہ راستہ سامنے کی طرف چلا گیا ہے جس کے اختتام پر ایک پھاٹک ہے۔ پھاٹک کے باہری جانب چند ہی قدم پر دریائے گومتی لہریں لے رہا ہے۔ بالفاظ دیگر فرمانروان اودھ کی دیگر عمارتوں کی طرح یہ عمارت بھی لب دریا بنی ہوئی ہے۔

امام باڑہ کے اندر سنگ مرمر کا فرش ہے جن میں سیاہ و سفید چوکوں سے شطرنجی بنائی گئی ہے دیواروں پر نسخ و نستعلیق کے قطعہ، طغرے چوکھٹوں میں لگے ہیں، جن میں بعض فن خطاطی کے بہترین نمونے ہیں، اور داخلہ کے دروازوں میں برہما کی بنی ہوئی خوشنما نقشی جوڑیاں لگی ہوئی ہیں جن کے بغلی پاکھوں میں بانی امام باڑہ شاہ غازی الدین حیدر و نواب سر محسن الدولہ و نواب ممتاز الدولہ کی تصویریں مسز جاپلنگ رو (Miss Japling Roue) کی بنائی ہوئی آویزاں ہیں جن کی نقاب کشائی نواب فغفور مرزا پسر نواب ممتاز الدولہ سینئر متولی وقف حسین آباد نے تخمیناً ۱۹۰۸ء میں مسٹر اے ایل سانڈرس (A.L.Saunders) کمشنر لکھنؤ سے کرائی تھی راقم سطور اس تقریب میں مدعو تھا۔ نواب فغفور مرزا اس زمانہ میں عموماً انگریزی لباس میں ملبوس رہتے تھے مگر اس روز سیاہ ایرانی ٹوپی بوٹیدار اطلس کی شیروانی سفید فلالین کا پتلون اور پمپ شوز زیب تن کئے تھے۔ اور کمر میں ایک مرصع ڈاب بھی لگائے تھے جس سے تلوار لٹک رہی تھی۔ نواب محسن الدولہ و ممتاز الدولہ بعد غدر حسین آباد کے متولی ہوگئے تھے۔

تاریخ تعمیر شاہ نجف یہ ہے

باحسن عقیدت نجف اشرف را
فرمود بنا بہند نواب و زیر
تاریخ مبارکش چو جستم از عقل
ہاتف گفتہ عجب نجف شد تعمیر

۱۲۳۲ء

مسز حسن علی (Miss Hasan Ali) ایک انگریز خاتون نے شاہ نجف کی زیارت ۱۸۲۵ء میں کی تھی ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمارت میں بعض تبدیلیاں ہوگئی ہیں۔ موصوفہ (۱) تحریر کرتی ہیں۔

امام باڑہ کے بیرونی صحن میں داخلہ بذریعہ ایک خوشنما پھاٹک کے ہوتا ہے جو خشت اور مسالہ سے بنایا گیا ہے اور جس پر استر کاری کرکے ایسی جلا کر دی گئی ہے کہ وہ بعینہ سنگ مرمر کا معلوم ہوتا ہے۔ پھاٹک کے برابر ہر طرف اور دونوں بازوؤں میں آفت زدگان وخانما برباد غریب غربا کے قیام کے لئے مختلف درجے بنے ہوئے ہیں جن کی پچھلی دیواریں امام باڑے کی حد بندی کرتی ہیں۔ اصل روضہ پھاٹک ہی سے نظر آتا ہے اور چوکور عمارت معلوم ہوتی ہے جس پر گنبدی چھت بنی ہے۔ روضہ کے اندر سیاہ اور سفید سنگ مرمر کے چوکونے شطرنجی فرش بنایا گیا ہے۔ اور اندرونی جانب دیواروں اور قبہ میں نفیس منبتی کام بنا کر اس کو مطلا کر دیا ہے۔ عمارت کے بیرونی جانب بھی گنبد اور کارنسوں پر نہایت خوشنما منبت کاری کی گئی ہے اور اس پر بھی سونے کے پانی کی تحریریں ہیں گنبد کی چوٹی کی آرائش ایک بڑے قد کے تاج سے کی گئی ہے جو خالص چاندی کا بنا کر اس پر سونے کا ملمع کر دیا گیا ہے۔ محرم کی روشنی وآراستگی کے بارے میں موصوفہ تحریر کرتی ہیں۔ (۲) ''زمانہ محرم میں جو آرائش و زیبائش اس عمارت کے اندرونی حصہ میں ہوتی تھی اس کی شان وشکوہ کی کیفیت پورے طور پر الفاظ میں ادا نہیں ہوسکتی۔ اس کی دیواریں بکثرت خوشنما شیشہ آلات اور آئینوں سے مزین تھیں اور ہر قسم کے سوسو موم بتی والے عالیشان جھاڑوں کے درمیان زرد، نیلی اور سبز رنگ کی ہانڈیاں روشنی کی تڑپ کو حد اعتدال پر قائم رکھتی ہیں اور اس حیرت انگیز اور دلفریب منظر کو پرستان کے مثل بنا دیتی ہیں۔ امام باڑہ کے بیچوں بیچ میں نہایت خوشنما سبز بلوری تعزیہ رکھا تھا جو انگلستان سے ڈھل کر آیا تھا اور جس پر سنہرا مینا کیا ہوا تھا۔ تعزیہ کے اردگرد مومی شمعیں روشن تھیں اور اس کے داہنے جانب ایک بڑے قد وقامت کا شیر تھا اور بائیں جانب ایک مچھلی تھی جو کہ نشان فرمانروائی وشہریاری ہے۔ یہ دونوں چیزیں بھی تعزیہ کے ہمرنگ تھیں۔ پٹکے نہایت بیش قیمت نفیس اور کثیر تعداد میں تھے جن پر علم بھی انہی کے موافق نہایت شاندار اور بیش بہا لگے تھے، ایشائی عمارتوں میں طاق اور روشندان کل مناسب مقاموں پر ضرور بنتے ہیں اور امام باڑوں میں ان میں عجوبہ روزگار اور نادر الوجود پرانے زمانہ کی اشیاء رکھ دی جاتی ہیں جیسے مکہ معظّمہ کے روضۂ اقدس کی نقل۔ خیمہ گاہ حضرت امام حسینؑ۔ پھاٹک کربلا وغیرہ۔ اس امام باڑہ میں یہ تینوں چیزیں نقرئی تھیں اور چاندی ہی کی میزوں پر رکھی تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سے عجیب وغریب ساخت کے مختلف زمانوں کی ڈھالیں، خنجر، زرہ، بکتر اور نیزے وغیرہ بھی بہت خوش سلیقگی سے سجے ہوئے اندرونی حصۂ عمارت کو زینت بخش رہے تھے۔ منبر بھی نقرئی بہت خوبصورت ساخت کا ہے۔ کل امام باڑہ کی سجاوٹ اور آراستگی بادشاہ سلامت کی زیر نگرانی ہوتی تھی اور اس موقع پر جس تمیز داری اور خوش ترتیبی سے چیزیں نظر آتی تھیں اس کے لئے اعلیٰ حضرت ہی کی سلیقہ شعاری کو داد دینا چاہئے۔

فانی پارکس (Fanny Parks) ایک فرانسیسی خاتون نے بھی بزمانۂ حکومت شاہ غازی الدین حیدر امام باڑہ

(1) Observations on the Musalmans of India by W. Brocke

(2) Manners & Curtoms of the Musalmans of India

شاہ نجف کی زیارت کی تھی اس کے تعزیوں کے متعلق موصوفہ لکھتی ہیں:۔

''تعزیوں کی وضع قطع کا خیال کم کیا جاتا ہے یا بالکل نہیں کیا جاتا۔ یہ مختلف شکلوں اور مختلف چیزوں کے بنائے جاتے ہیں شاہ اودھ کے امام باڑہ شاہ نجف میں بزمانہ محرم جس تعزیہ کی زیارت کرائی جاتی ہے وہ سبز بلور کا مینا کار ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے تعزیے ہاتھی دانت، آبنوس، صندل، چاندی کے گنگا جمنی یا کسی دوسری شے کے بنے ہوئے ہیں۔ زیادہ قیمتی اور صنعتی تعزیے امام باڑوں میں محفوظ رکھے رہتے ہیں اور کم قیمت جلوس کے ساتھ لے جا کر دسویں محرم کو کربلا میں دفن کر دیے جاتے ہیں۔

امام باڑہ شاہ نجف میں حضرت غازی الدین حیدر کی تین بیویاں تہ خاک موت کی ابدی نیند سو رہی ہیں۔ امام باڑہ میں داخل ہونے پر بادشاہ کا مرقد سامنے ہی ملتا ہے جس پر نقرئی کٹہرا لگا ہے، اس کے داہنی جانب نواب مبارک محل کی آخری آرام گاہ ہے جس پر ایک شاندار گنگا جمنی خطیرہ ہے۔ نجف کی تمام قبروں سے اس قبر کا ساز و سامان پر شوکت اور بیش قیمت ہے۔ بادشاہ کی قبر کے بائیں جانب نواب ممتاز محل بادشاہ کی دوسری نومسلم بیوی کی قبر ہے جس پر چاندی کا کٹہرا ہے اور بائیں جانب کے گوشہ میں بادشاہ کی تیسری محبوب بیوی سرفراز محل کا مدفن ہے جس پر چوبی کٹہرا رکھا ہوا ہے۔

مبارک محل(۱) کے باپ ایک انگریز کرنیل عیش ساکن کانپور تھے اور ماں ایک ہندوستانی عورت چمپا نامی تھی ان کا نام شروع میں مریم(۲) تھا۔ موصوفہ نصرانی مذہب کی پیرو اور حسن و جمال میں چندے آفتاب اور چندے ماہتاب تھیں۔ غازی الدین حیدر ان کے چاند سے مکھڑے پر دم دینے لگے۔ ان کو کانپور سے لکھنؤ لے آئے اور مذہب اسلام کی تلقین کی۔ جب وہ آغوش اسلام میں آ گئیں تو ۱۸۱۵ء میں ان سے عقد کر کے ان کا اسلامی نام عزت النساء بیگم مہد علیا مبارک محل رکھا۔ اور ۱۷/اگست ۱۸۲۵ء سے ان کا وثیقہ چند شرائط کے ساتھ دس ہزار روپیہ ماہوار کا جاری کر دیا۔ حکیم بندہ مہدی ساکن کٹرہ ابوتراب خاں کا ان کے یہاں بڑا اختیار تھا ۳۰ جون ۱۸۴۹ء کو بعہد دولت جان عالم واجد علی شاہ موصوفہ نے موت کی چاشنی چکھی۔ میر علی اوسط رشکؔ نے قطعہ تاریخ وفات مندرجۂ ذیل کہا جو امام باڑہ میں لگا ہوا ہے۔

افسوس مبارک(۱) محل ایں مریم عصر
روکر د سوئے گلشن رضواں اے ہائے
تاریخ وفات خامۂ رشک نوشت
ہشتم بودہ زماہ شعبان اے ہائے

ممتاز محل اُدری لال بقال کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ جگناتھ بقال اشرف الدولہ غلام رضا خاں نومسلم بانی روضۂ کاظمینؑ واقع منصور نگر ان کے رشتہ دار تھے۔ شاہ غازی الدین حیدر نے بعد انتقال مسماۃ صبح دولت المخاطب بہ ممتاز محل والدہ شہزادۂ نصیر الدین حیدر موصوفہ سے نکاح کر کے انھیں بھی ممتاز محل کے خطاب سے ممتاز فرمایا۔ یہ امام باڑہ شاہ نجف کے قریب ہی ایک مکان میں رہتی تھیں، جو دریا اور امامباڑہ کے درمیان واقع تھا۔ یہ مکان ۱۹۱۳ء میں جب بٹلر روڈ دریا کے کنارے نکالی گئی تو کھد گیا۔ اب صرف اس کی ایک دیوار لب دریا بطور نشانی باقی رہ گئی ہے۔ بیگم کا وثیقہ گیارہ روپیہ ماہوار کا ماہ اگست ۱۸۲۵ء سے جاری ہوا تھا۔

موصوفہ آخر میں محلہ گولہ گنج میں اپنے مکان ذاتی موسومہ ممتاز محل میں سکونت پذیر تھیں یہ مکان فروخت ہو کر اب منہدم ہو گیا ہے صرف بیرونی پھاٹک ان کی یاد دلانے کو باقی ہے مگر ان کی ایک خوشنما مسجد محلہ چاندی خانہ میں کنگلے محل کے

(۱)۔ قیصر التواریخ
(2)_Historic Lucknow by Miss say dney Ray

(۱) مبارک محل کی تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے مضمون راقم السطور مندرجہ زمانہ ماہ اگست ۱۹۴۰ء

امام باڑہ کے پاس اب تک قائم ہے جوان کے نام کو روشن کئے ہوئے ہے، مسجد میں ایک قطعہ سنہ تعمیر بھی نصب ہے جو زیادہ تر مٹا ہوا ہے صرف الفاظ مندرجۂ ذیل بہ دقت پڑھے جاسکے۔

عاشق فاطمہ ممتاز محل (۱)

صاحب عفت ----------

زوج او شاہ غازی الدین

خود خورشید ------------

مسجد نہایت دیدہ زیب ہے۔ منبت کا کام بھی نہایت دلکش ہے مگر سنہ تعمیر پڑھا نہیں جاسکا سرفراز محل (۲) مسماۃ حسینی خانم کا خطاب تھا جو ملیح آباد کی رہنے والی تھیں۔ ان کا چہرہ کتابی رنگ سانولا نمکیں، آنکھیں رسیلی اور بڑی بڑی، قد لانبا جسم گداز اور ہاتھ پیر گول تھے۔ پہلے پنج محلہ واقع مچھی بھون میں رہتی تھیں۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں نے مچھی بھون پر قبضہ کرلیا تو محمود نگر میں چڑھائی کے اوپر اپنا ذاتی مکان بنوا کر اس میں رہنے لگیں۔ ۲۸ / اکتوبر ۱۸۷۸ء کو لاولد انتقال کیا۔

میر مونسؔ نے چہلم کی مجلس پڑھی۔ ان کا وثیقہ ایک ہزار روپیہ ماہوار اگست ۱۸۲۵ء سے جاری ہوا تھا۔ مکان مسکونہ منہدم ہو کر فروخت ہو چکا ہے نواب غازی الدین حیدر نے بتاریخ ۹ / اکتوبر ۱۸۱۹ء مطابق ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۳۵ھ بروز عید غدیر لارڈ ہسٹینگز گورنر جنرل کے ایما پر شاہ دہلی اکبر شاہ ثانی سے رشتۂ اتحاد توڑ کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور اسی روز تخت نشین اودھ ہو گئے۔ خطاب شاہی ابو المظفر معزالدین شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ غازی ہوا۔ نائب الریاست نواب معتمدالدولہ مختار الملک السید محمد خاں ضیغم جنگ عرف آغا میر کو خطاب وزیر اعظم عطا ہوا اور جو چودہ کروڑ روپیہ نواب سعادت علی خاں نے کمال حسن انتظام اور خوش تدبیری سے جمع کر کے برانتقال خزانہ میں چھوڑا تھا وہ بے غل وغش صرف ہونے لگا ایک کروڑ روپیہ کی لاگت سے تاج وتخت شاہی وسامان جلوس تیار ہوا کل اعزہ وارا کین دولت واہلکاران ریزیڈنسی کو خلعت فاخرہ عطا ہوا۔ خطاب پادشاہت کی مسرت میں خوب خوب جشن ہوئے۔

تاجپوشی کی یادگار میں دو محلے بادشاہ نگر اور حیدر آباد دریا کے اس پار قائم کئے گئے جواب تک انھیں ناموں سے موسوم ہیں شیخ امام بخش ناسخ نے تاریخ تاجپوشی کہی۔

شاہ اسکندر وزیر ارسطالیس

۱۷/ اگست ۱۸۲۵ء مطابق یکم محرم ۱۲۴۱ھ کو غازی الدین حیدر بادشاہ نے مبلغ ایک کروڑ روپے معرفت ریزیڈنٹ اودھ مسٹر رکٹس (Ricketh's) بطور قرض موبد بہ تقرر سود پانچ روپیہ فیصد سالانہ خزانہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں جمع کرائے جس کا ماہوار سود مبلغ ۸۔ ۱۰۔ ۱۶۶۶۴ ہوتا ہے اسی سود کے روپیہ سے بادشاہ نے اپنی چار بیگموں مبارک محل، سلطان مریم (۱) بیگم، ممتاز محل، سرفراز محل ونواب معتمدالدولہ وغیرہ کے وثیقے جاری کرنے کے علاوہ اپنے امام باڑہ شاہ نجف کے اخراجات کے لئے مبلغ گیارہ سو سینتیس روپیہ دس آنہ آٹھ پائی ماہوار مقرر کئے۔ اسی رقم سے امام باڑہ کے مصارف چلتے ہیں غازی الدین حیدر نے بتاریخ ۲۷ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ مطابق ۸/ اکتوبر ۱۸۲۷ء بروز دیوالی شب شنبہ کے پچھلے پہر چودہ برس حکومت کرنے کے بعد مرض اسہال سے بعمر ۵۶ سال موتی محل میں قضا کی۔ بادشاہ بیگم خاص محل سے ناموافقت تھی۔ بادشاہ کی حالت نازک سمجھ کر بیگم صاحبہ مع اپنی نواسیوں کے عیادت کی غرض سے تشریف لے گئیں مگر ان سے کوئی بات نہ کی دوشالہ منہ پر کھینچ لیا۔ جنازہ بڑے جلوس سے اٹھا۔ فوج ارا کین دولت اعزہ واقربا سب جنازہ کے ساتھ تھے

(۱) ممتاز محل کے مکمل سوانح حیات کے لئے دیکھئے مضمون راقم السطور مطبوعہ زمانہ ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء

(۲) ان کے مفصل حالات کے لئے مضمون راقم مندرجۂ زمانہ ماہ فروری ۱۹۴۱ء

(۱) یہ بھی انگریزن تھیں ان کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے مضمون راقم مندرجہ زمانہ جون ۱۹۴۰ء

وقت عصر اپنے تعمیر کردہ امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ بعد وفات خلد مکان لقب ہوا۔ شیخ امام بخش ناسخ نے تاریخ وفات کہی۔

از وفات جناب شاہ زمن
گوئیا عالمے ہلاک شدہ
دہر گردید بہر مادوزخ
بہ بہشت آن جناب پاک شدہ
دیدہ باشد بماتمش نمناک
سینہا آہ دردناک شدہ
رفت دامان صبر از دستم
جیب صبر و شکیب چاک شدہ

تاریخ ذیل ان کے مدفن پر لگی ہوئی ہے۔

چوں رفت شہ زمن زدنیا
ماتم دل خاص و عام بگرفت
از روئے بکاو آہ گفتم
حیدر بہ نجف مقام بگرفت

۱۲۴۳ھ

۱۸۵۷ء کے بلوۂ عظیم میں سپاہ باغی نے سکندر باغ اور شاہ نجف میں بھی مورچہ لگایا تھا ۱۷؍نومبر سنہ مذکور کو انگریزی فوج زیر کمان سر کالن کیمپبل (Sir Colin Campbelly) محصورین بیلی گارد کی کمک کے لئے شاہ نجف کی طرف سے گذرے۔ دونوں مقاموں پر فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس ہنگامہ میں شاہ نجف کا بہت سامان تہس نہس ہوگیا اور بلور کا ولائتی تعزیہ بھی ٹھنڈا ہوگیا۔ شاہ مرحوم کے وقت کا سامان جولٹنے والوں کی دست برد سے بچ گیا اس میں صرف تین چیزیں قابل تذکرہ ہیں۔ اول تو ایک نہایت نفیس چندن کی گول ضریح ہے۔ دوسرے ایک آئینہ ہے جس میں انسان سر سے پیر تک بالکل دبلا پتلا سینک سلائی ایسا نظر آتا ہے۔ تیسرا بھی ایک آئینہ ہے جس میں انسان کا چہرہ وجسم آڑو کی طرح ایسا چوڑا اور بد قطع دکھائی دیتا ہے کہ دیکھنے والے کو خود اپنا عکس دیکھ کر بے اختیار ہنسی آنے لگتی ہے۔

اس امام باڑہ میں دو مرتبہ خاص طور سے روشنی ہوتی ہے۔ پہلی دفعہ تو نواب مبارک محل کے دیسہ کے روز دوسری بار محرم کی آٹھویں و نویں تاریخ کو بجلی کی روشنی بہت کثرت سے ہوتی ہے جبکہ عمارت کی آراستگی و تزئین بے شمار رنگ برنگ بجلی کے قمقموں سے کی جاتی ہے جن کی دلفریب روشنی سے پوری عمارت جگمگا اٹھتی ہے اور رات کے وقت دن کا ایسا سماں معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہ امام باڑہ بھی متولیان حسین آباد کے زیر انتظام ہے مجالس میں پڑھنے کے لئے سوز خوان، مرثیہ خوان مستقل طور پر ماہوار تنخواہیں پاتے ہیں اور قبروں پر قرآن خوان ملازم ہیں۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ رجب ۱۳۶۵ھ؍جون ۱۹۴۶ء ص؍۳۶ تا ۴۲؍



آدمی کی زندگی

ندیؔ الہندی

کاش ہر انسان جیتا روشنی کی زندگی
موت سے بدتر ہے کیونکر تیرگی کی زندگی
جہل کیا ہے بس اندھیروں میں بھٹک جانے کا نام
علم سے سورج بنی ہے آدمی کی زندگی

